

قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام

مُصنّف

مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مرکز اہل السنّۃ برکات رضا
شارع امام احمد رضا،
فوربندر۔(غوجرات۔الھند)

قمر التمام

فی نفی الظل عن سید الأنام

١٢٩٦ھ

(سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سایہ کی نفی میں کامل چاند)

مصنف

امام اہل سنت، مجدد دین وملت، **امام احمد رضا خاں** محقق بریلوی
قادری برکاتی علیہ الرحمۃ والرضوان

ناشر

مرکز أہل السنۃ برکات رضا
امام احمد رضا روڈ، میمن واڈ
پوربندر، گجرات (الھند)

نام کتاب:	قمر التمام فی نفی الظل عن سیدالانام (صلی اللہ علیہ وسلم)
مصنف:	امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ
تخریج وتصحیح:	مولانا نذیر احمد سعیدی/مولانا حافظ محمد شہزاد ہاشمی/مولانا غلام حسن
کمپوزنگ:	شاہد حسین/محمد معین ترکی، پور بندر
پروف ریڈنگ:	مولانا محمد انجم القادری مصباحی
تعداد:	۱۱۰۰
سن اشاعت:	۱۴۲۹ھ / ۲۰۰۸ء
ناشر:	مرکز اہل سنت برکات رضا، امام احمد رضا روڈ، پور بندر (گجرات)
باہتمام:	علامہ عبدالستار ہمدانی، مصروفؔ برکاتی، نوری

ملنے کے پتے

- Darul Uloom Ghause Aazam, Porbandar - 360575
- Mohammadi Book Depot, Matia Mahal, Delhi-6
- Farooqia Book Depot, Matia Mahal, Delhi-6

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جسم کا سایہ تھا یا نہیں؟ بینوا توجروا. (بیان کرو اجر پاؤ گے۔)(۱)

الجواب:

بسم الله الرحمٰن الرحيم

ومن الله توفيق الصدق و الصواب، ولاحول ولا قوة إلا بالله العزيز الوهاب، أللهم صل وسلم و بارك على السراج المنير الشارق، والقمر الزاهر البارق، وعلى اٰله و أصحابه أجمعين.

(اللہ تعالٰی کی طرف سے ہی سچائی اور درستگی کی توفیق ہے۔ نہ گناہ سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ ہی نیکی کرنے کی قوت مگر عزت والے بہت عطا فرمانے والے اللہ کی توفیق سے۔ اے اللہ! درود وسلام اور برکت نازل فرما روشن چراغ اور خوشنما تابناک چاند پر اور آپ کی آل پر اور تمام صحابہ پر۔ت)

بے شک اس مہر سپہر اصطفا، ماہ منیر اجتبا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے سایہ نہ تھا اور یہ امر احادیث واقوال ائمہ کرام سے ثابت، اکابر ائمہ وعلما فضلا کہ آج کل کے مدعیان خام کارکوان کی شاگردی بلکہ ان کے کلام کے سمجھنے کی لیاقت نہیں، خلفاً، سلفاً، دائماً اپنی تصانیف میں اس معنی کی تصریح فرماتے آئے اور اس پر دلائل باہرہ وحجج قاہرہ قائم، جن پر مفتی عقل وقاضی نقل نے باہم اتفاق کرکے ان کی تاسیس وتشیید کی۔ آج تک کسی عالم دین سے اس کا انکار منقول نہ ہوا یہاں تک کہ وہ لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے دین میں ابتداع اور نیا مذہب اختراع اور ہوائے نفس کا اتباع کیا اور بہ سبب اس سوء رنجش کے جو ان کے دلوں میں اس رؤف ورحیم نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے تھی، ان کے محو فضائل ورد معجزات کی فکر میں پڑے حتی کہ معجزۂ شق القمر جو بخاری ومسلم کی احادیث

(۱) (ت) ترجمہ: حضرت مولانا حافظ محمد عبدالستار سعیدی

صیحہ بلکہ خود قرآن عظیم و وحی حکیم کی شہادت حقہ اور اہل سنت و جماعت کے اجماع سے ثابت، ان صاحبوں میں سے بعض جری بہادروں نے اسے بھی غلط ٹھہرایا اور اسلام کی پیشانی پر کلف کا دھبہ لگایا۔ فقیر کو حیرت ہے کہ ان بزرگواروں نے اس میں اپنا کیا فائدہ دینی یا دنیاوی سمجھا ہے!؟

اے عزیز! ایمان، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت سے مربوط ہے اور آتش جاں سوز جہنم سے نجات ان کی الفت پر منوط (منحصر ہے۔ت)، جو ان سے محبت نہیں رکھتا واللہ کہ ایمان کی بو اس کے مشام (ناک) تک نہ آئی، وہ خود فرماتے ہیں:

"لایؤمن أحدکم حتی أکون أحب إلیه من ولدهٖ و والدهٖ والناس أجمعین."(۱)

تم میں سے کسی کو ایمان حاصل نہیں ہوتا جب تک میں اس کی اولاد اور ماں، باپ، سب آدمیوں سے زیادہ پیارا نہ ہوں۔

اور آفتاب نیم روز کی طرح روشن کہ آدمی ہمہ تن اپنے محبوب کے نشر فضائل و تکثیر مدائح میں مشغول رہتا ہے اور جو بات اس کی خوبی اور تعریف کی سنتا ہے، کیسی خوشی اور طیب خاطر سے اظہار کرتا ہے، سچی فضیلتوں کا مٹانا اور شام و سحر نفی اوصاف کی فکر میں رہنا، کام دشمن کا ہے نہ کہ دوست کا۔

جان برادر! تو نے کبھی سنا ہے کہ جس کو تجھ سے الفت صادقہ ہے وہ تیری اچھی بات سن کر چیں بہ جبیں ہو اور اس کی محو کی فکر میں رہے؟ اور پھر محبوب بھی کیسا! جان ایمان و کان احسان، جس کے جمال جہاں آرا کی نظیر کہیں نہ ملے گی اور خامہ قدرت نے اس کی تصویر بنا کر ہاتھ کھینچ لیا کہ پھر کبھی ایسا نہ ملے گا۔ کیسا محبوب! جسے اس کے مالک نے تمام جہان کے لیے رحمت بھیجا۔ کیسا محبوب! جس نے اپنے تن پر ایک عالم کا بار اٹھالیا۔ کیسا محبوب! جس نے تمھارے غم میں دن کا کھانا، رات کا سونا ترک کر دیا، تم رات دن اس کی نافرمانیوں میں منہمک اور لہو ولعب میں مشغول ہو اور وہ تمھاری بخشش کے لیے شب و روز گریاں وملول۔

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی۔ ۱/۷

☆ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب محبۃ الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی۔ ۱/۴۹

شب، کہ اللہ جل جلالہٗ نے آسائش کے لیے بنائی، اپنے تسکین بخش پردے چھوڑے ہوئے موقوف ہے، صبح قریب ہے، ٹھنڈی نسیموں کا پنکھا ہورہا ہے، ہر ایک کا جی اس وقت آرام کی طرف جھکتا ہے، بادشاہ اپنے گرم بستروں، نرم تکیوں میں مست خواب ناز ہے اور جو محتاج بے نوا ہے اس کے بھی پاؤں دوگز کی کملی میں دراز، ایسے سہانے وقت، ٹھنڈے زمانہ میں، وہ معصوم، بے گناہ، پاک داماں، عصمت پناہ اپنی راحت وآسائش کو چھوڑ، خواب وآرام سے منہ موڑ، جبین نیاز آستانہ عزت پر رکھے ہے کہ الٰہی! میری امت سیاہ کار ہے، درگزر فرما، اور ان کے تمام جسموں کو آتش دوزخ سے بچا۔

جب وہ جان راحت، کان رأفت پیدا ہوا بارگاہ الٰہی میں سجدہ کیا اور "**ربِّ ھَبْ لِیْ أمتی**" فرمایا، جب قبر شریف میں اترا، لب جاں بخش کو جنبش تھی، بعض صحابہ نے کان لگا کر سنا آہستہ، آہستہ "**امتی، امتی**" فرماتے تھے۔ قیامت کے روز کہ عجب سختی کا دن ہے، تانبے کی زمین، ننگے پاؤں، زبانیں پیاس سے باہر، آفتاب سروں پر، سائے کا پتہ نہیں، حساب کا دغدغہ، ملک قہار کا سامنا، عالم اپنی فکر میں گرفتار ہوگا، مجرمان بے یار، دام آفت کے گرفتار، جدھر جائیں گے سوا "**نفسی، نفسی، إذھبو إلی غیری**"[۱] کچھ جواب نہ پائیں گے، اس وقت یہی محبوب غم گسار کام آئے گا، قفل شفاعت اس کے زور بازو سے کھل جائے گا، عمامہ سر اقدس سے اتاریں گے اور سربسجود ہوکر "**یا رب! أمتی**"[۲] فرمائیں گے۔ وائے بے انصافی! ایسے غم خوار پیارے کے نام پر جان نثار کرنا اور مدح وستائش ونشر فضائل سے اپنی آنکھوں کو روشنی اور دل کو ٹھنڈک دینا واجب یا یہ کہ حتی الوسع چاند پر خاک ڈالے اور ان روشن خوبیوں میں انکار کی شاخیں نکالے؟

مانا کہ ہمیں احسان شناسی سے حصہ نہ ملا، نہ قلب عشق آشنا ہے کہ حسن پسند یا احسان دوست، مگر یہ تو وہاں چل سکے جس کا احسان اگر نہ مانئے، اس کی مخالفت کیجئے تو کوئی مضرت نہ پہنچے اور یہ محبوب تو ایسا ہے کہ بے اس کی کفش بوسی کے جہنم سے نجات میسر، نہ دنیا وعقبٰی میں کہیں ٹھکانا متصور،

۱/۲ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب اثبات الشفاعۃ، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی۔ ۱/۱۱۱

پھر اگر اس کے حسن و احسان پر والہ وشیدا نہ ہوتو اپنے نفع وضرر کے لحاظ سے عقیدت رکھو۔

اے عزیز! چشم خرد میں سرمہ انصاف لگا اور گوش قبول سے پنبہ انکار نکال، پھر تمام اہل اسلام بلکہ ہر مذہب وملت کے عقلا سے پوچھتا پھر کہ عشاق کا اپنے محبوب کے ساتھ کیا طریقہ ہوتا ہے؟ اور غلاموں کو مولیٰ کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟ آیا نشر فضائل وتکثیر مدائح اور ان کی خوبی حسن سن کر باغ باغ ہوجانا؟ جامے میں پھولا نہ سمانا یا رد محاسن؟ نفی کمالات اور ان کے اوصاف حمیدہ سے بہ انکار وتکذیب پیش آنا، اگر ایک عاقل منصف بھی تجھ سے کہہ دے کہ نہ وہ دوستی کا مقتضی نہ یہ غلامی کے خلاف ہے تو تجھے اختیار ہے ورنہ خدا اور رسول سے شرما اور اس حرکت بے جا سے باز آ، یقین جان لے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوبیاں تیرے مٹانے سے نہ مٹیں گی۔

جان برادر! اپنے ایمان پر رحم کر، خدائے قہار وجبار جل جلالہ، سے لڑائی نہ باندھ، وہ تیرے اور تمام جہان کی پیدائش سے پہلے ازل میں لکھ چکا تھا ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ (۱) یعنی ارشاد ہوتا ہے: اے محبوب ہمارے! ہم نے تمھارے لیے تمھارا ذکر بلند کیا، کہ جہاں ہماری یاد ہوگی تمھارا بھی چرچا ہوگا اور ایمان بے تمھاری یاد کے ہرگز پورا نہ ہوگا، آسمانوں کے طبقے اور زمینوں کے پردے تمھارے نام نامی سے گونجیں گے، مؤذن اذانوں اور خطیب اور ذاکرین اپنی مجلس اور واعظین اپنے منابر پر ہمارے ذکر کے ساتھ تمھاری یاد کریں گے۔ اشجار واحجار، آہو وسوسمار ودیگر جاندار واطفال شیر خوار ومعبودان کفار جس طرح ہماری توحید بتائیں گے ویسا ہی بہ زبان فصیح و بیان صحیح تمھارا منشور رسالت پڑھ کر سنائیں گے، چار اکناف عالم میں 'لا إله إلا الله محمد رسول الله' کا غلغلہ ہوگا، جز اشقیائے ازل ہر ذرہ کلمہ شہادت پڑھتا ہوگا، مسبّحان ملاء اعلیٰ کو ادھر اپنی تسبیح وتقدیس میں مصروف کروں گا، ادھر تمھارے محمود درود مسعود کا حکم دوں گا۔ عرش وکرسی، ہفت اوراق سدرہ، قصور جناں، جہاں پر 'الله' لکھوں گا، 'محمد رسول الله' بھی تحریر فرماؤں گا، اپنے پیغمبروں اور اولوالعزم رسولوں کو ارشاد کروں گا کہ ہر وقت تمھارا دم بھریں اور تمھاری یاد سے اپنی آنکھوں کو روشنی اور جگر کو

(۱) الانشراح، الآیۃ:٤

ٹھنڈک اور قلب کو تسکین اور بزم کو تزئین دیں۔ جو کتاب نازل کروں گا اس میں تمھاری مدح وستائش اور جمال صورت وکمال سیرت ایسی تشریح وتوضیح سے بیان کروں گا کہ سننے والوں کے دل بے اختیار تمھاری طرف جھک جائیں گے اور نادیدہ تمھارے عشق کی شمع ان کے کانوں، سینوں میں بھڑک اٹھے گی۔ ایک عالم اگر تمھارا دشمن ہو کر تمھاری تنقیص شان اور محو فضائل میں مشغول ہو تو میں قادر مطلق ہوں، میرے ساتھ کسی کا کیا بس چلے گا۔ آخر اسی وعدے کا اثر تھا کہ یہود صدہا برس سے اپنی کتابوں سے ان کا ذکر نکالتے اور چاند پر خاک ڈالتے ہیں تو اہل ایمان اس بلند آواز سے ان کی نعت سناتے ہیں کہ سامع اگر انصاف کرے بے ساختہ پکار اٹھے۔ لاکھوں بے دینوں نے ان کے محو فضائل پر کمر باندھی، مگر مٹانے والے خود مٹ گئے اور ان کی خوبی روز بروز مترقی رہی، پھر اپنے مقصود سے تو یاس و ناامیدی کر لینا مناسب ہے ورنہ برب کعبہ ان کا کچھ نقصان نہیں، بالآخر ایک دن تو نہیں، تیرا ایمان نہیں۔

اے عزیز! سلف صالح کی روش اختیار کر اور ان کے قدم پر قدم رکھ، ائمہ دین کا وطیرہ ایسے معاملات میں دائماً تسلیم وقبول رہا ہے، جب کسی ثقہ معتمد علیہ نے کوئی معجزہ یا خاصہ ذکر کر دیا اسے مرحبا کہہ لیا اور حبیب جان میں بہ طیب خاطر جگہ دی، یہاں تک کہ اگر اپنے آپ احادیث میں اس کی اصل نہ پائی، قصور اپنی نظر کا جانا، یہ نہ کہا کہ غلط ہے، باطل ہے، کسی حدیث میں وارد نہیں، نہ یہی ہوا کہ جب حدیث سے ثبوت نہ ملا تھا اس کے ذکر سے باز رہتے بلکہ اسی طرح اپنی تصانیف میں اس کے ذکر سے باز رہتے بلکہ اسی طرح اپنی تصانیف میں ثقہ کے اعتماد پر اسے لکھتے آئے، اور کیوں نہ ہو، مقتضی عقل سلیم کا یہی ہے کہ:

فائدہ جلیلہ:

جب ہم اسے ثقہ معتمد علیہ مان چکے اور وقوع ایسے معجزے کا یا اختصاص ایسے خاصہ کا ذات پاک سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بعید نہیں کہ اس سے عجیب تر معجزات بہ تواتر حضور سے ثابت، اور ان کا رب اس سے زیادہ پر قادر، اور ان کے لیے اس سے بہتر خصائص بالقطع مہیا اور ان کی شان اس

سے بھی ارفع واعلیٰ، پھر انکار کی وجہ کیا ہے، تکذیب میں تو اس راوی سے ثقہ معتمد علیہ ہونا ثابت ہو چکا اور وثوق واعتماد اس کا بتاتا ہے کہ اگر من عند نفسہٖ کہہ دیتا خدا اور رسول پر مفتری ہوتا،

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ [ھود، الآیۃ:۱۸]

(اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔ت)

ان وجوہ پر نظر کر کے سمجھ لیجئے کہ بالضرور اس نے حدیث پائی، گو ہماری نظر میں نہ آئی۔ ہر چند کہ فقیر کا یہ دعویٰ اس شخص کے نزدیک بالکل بدیہی ہے جو خدمت حدیث وسیر میں رہا اور اس راہ میں روش علما کو مشاہدہ کیا مگر ناواقفوں کے افہام اور منکروں پر الزام کے لیے چند مثالیں بیان کرتا ہوں:

اولاً: جسم اقدس ولباس انفس پر مکھی نہ بیٹھنا، علامہ ابن سبع نے "خصائص" میں ذکر فرمایا علمانے تصریح کی اس کا راوی معلوم نہ ہوا، اور باوجود اس کے بلانکیر اپنی کتابوں میں اسے ذکر فرماتے آئے۔

"شفا" قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ میں ہے:

"و إن الذباب كان لا يقع على جسده ولا ثيابه."(۱)

(مکھی آپ کے جسم اقدس اور لباس اطہر پر نہ بیٹھتی تھی۔ت)

امام جلال الدین سیوطی "خصائص کبریٰ" میں فرماتے ہیں:

"باب: ذكر القاضی عياض فی "الشفا" والعراقی فی "مولده": ان من خصائصه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أنه كان لا ينزل عليه الذباب، وذكره إبن سبع فی "الخصائص" بلفظ: أنه لم يقع على ثيابه ذباب قط، وزادأن من خصائصه: أن القمل لم تكن يؤذيه."(۲)

قاضی عیاض نے "شفا" میں اور عراقی نے اپنی "مولد" میں ذکر کیا کہ حضور کی خصوصیات

(۱) الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، فصل ومن ذالک ماظہر من الآیات عند مولدہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت۔۱/۲۲۵

(۲) الخصائص الکبریٰ، باب ذکر القاضی عیاض فی الشفاء والعراقی فی مولدہ، مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات، الہند۔۱/۶۸

میں سے یہ بھی ہے کہ مکھی آپ پر نہ بیٹھتی تھی۔ ابن سبع میں ان لفظوں سے ذکر کیا کہ مکھی آپ کے کپڑوں پر بھی نہیں بیٹھتی۔ اور یہ بھی زیادہ کیا کہ جوئیں آپ کو نہیں ستاتی تھیں۔

شیخ ملاعلی قاری "شرح شمائل ترمذی" میں فرماتے ہیں:

"و نقل الفخر الرازی: أن الذباب کان لا یقع علی ثیابه، و أن البعوض لا یمتص دمه."

رازی نے نقل کیا کہ مکھیاں آپ کے کپڑوں پر نہیں بیٹھتی تھیں اور مچھر آپ کا خون نہیں چوستے تھے۔

علامہ خفاجی نے "نسیم الریاض" میں علما کا وہ قول کہ اس کا راوی نہ معلوم ہوا، نقل کیا، اور اس خاصہ کی نسبت لکھا کہ ایک کرامت ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے حبیب کو عطا کی اور اپنے نتائج افکار سے ایک رباعی لکھی کہ اس میں بھی اس خاصہ کی تصریح ہے اور بعض علمائے عجم نے اسی بنا پر کلمہ 'محمد رسول اللہ' کے سب حروف بے نقطہ ہوتے ہیں، ایک لطیفہ لکھا کہ آپ کے جسم پر مکھی نہ بیٹھتی تھی، لہٰذا یہ کلمہ کلی نقطوں سے محفوظ رہا کہ وہ شبیہ مکھیوں کے ہیں۔ پھر اسی مضمون پر دوسری عبارت:

"عبارته برمته: ومن دلائل نبوته صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: أن الذباب کان لا یقع علی ثیابه، هذا مما قاله إبن سبع، إلا أنهم قالوا: لا یعلم من روی هذه. والذباب واحده ذبابة. قیل: إنه سمی به لأنه کلما أذب، آب، أی: کلما طرد، رجع، و هذا مما أکرمه الله به لأنه طهره الله من جمیع الأقذار و هو مع إستقذاره قد یجیئ من مستقذر. قیل: و قد نقل مثلها عن ولی الله العارف به الشیخ عبد القادر الکیلانی ولا بعد فیه لأن معجزات الأنبیاء قد تکون کرامة لأولیاء أمته وفی رباعیة لی:

من أکرم مرسل عظیم حلا — لم تدن ذبابة إذ ما حلا
هذا عجب ولم یذق ذو نظر — فی الموجودات من حلاه أحلا"

ان کی مکمل عبارت یہ ہے: آپ کے دلائل نبوت سے یہ بھی ہے کہ مکھی آپ کے نہ تو ظاہری جسم پر بیٹھتی تھی اور نہ لباس پر، یہ ابن سبع نے کہا۔ محدثین نے کہا کہ اس کا راوی معلوم نہیں۔ ذباب کا واحد ذبابۃ ہے۔ کہتے ہیں اس کا یہ نام اس لیے ہے کہ اس کو جب بھی بھگایا جاتا ہے واپس آجاتی ہے۔ یہ کرامت آپ کو اس لیے عطا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پاک رکھا تھا۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہی کہا جاتا ہے اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کیوں کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو چیز نبی کا معجزہ ہوتی ہے وہ بطور کرامت ولی کے ہاتھ سے سرزد ہوجاتی ہے اور میں (خفاجی) نے ایک رباعی کہی ہے:

''آپ بزرگ ترین، عظیم، مٹھاس والے رسول ہیں، یہ عجیب بات ہے کہ آپ کی مٹھاس کے باوجود مکھی آپ کے قریب نہ جاتی تھی اور کسی بھی صاحب نظر نے موجودات میں آپ کی مٹھاس سے زیادہ مٹھاس نہ چکھی۔''

''وتطرف بعض علماء العجم فقال: محمد رسول الله ليس فيه حرف منقوط لأن الموجود أن النقط تشبه الذباب، فصين إسمه و نعته كما قلت في مدحه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:

لقد ذب الذباب فليس يعلو رسول الله محمود محمد

و نقط الحرف يحكيه بشكل لذاك الخط عنه قد تجرد[۱]

اور بعض علمائے عجم نے کہا کہ محمد رسول اللہ میں کوئی نقطہ نہیں ہے اس لیے کہ نقطہ مکھی کے مشابہ ہوتا ہے، عیب سے بچانے کے لیے اور آپ کی تعریف کے لیے میں نے آپ کی مدح میں کہا ہے:

بلا شبہ اللہ نے مکھیوں کو آپ سے دور کر دیا تو آپ پر مکھی نہیں بیٹھتی ہے، اللہ کے رسول محمود و محمد ہیں اور حروف کے نقطے جو شکل میں مکھی کی طرح ہیں ان سے بھی اللہ نے اس لیے آپ کو محفوظ رکھا۔''

(۱) نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض، فصل ومن ذلک ما ظہر من الآیات، مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات، ہند۔۲/۶۴

ثانیاً: ابن سبع نے حضور کے خصائص میں جو کہا: جوں آپ کو ایذا نہ دیتی۔ علامہ سیوطی نے "**خصائص کبریٰ**" میں اس طرح ابن سبع سے نقل کیا اور برقرار رکھا **کما مر**. (جیسا کہ گزر چکا ہے۔ت) اور ملا علی قاری "**شرح شمائل**" میں فرماتے ہیں:

"ومن خواصه: أن ثوبه لم يقمل."

(آپ کے مبارک کپڑوں میں جوئیں نہیں ہوتی تھیں۔)

ثالثاً: ابن سبع نے فرمایا: جس جانور پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سوار ہوتے عمر بھر ویسا ہی رہتا اور حضور کی برکت سے بوڑھا نہ ہوتا۔ علامہ سیوطی "**خصائص**" میں فرماتے ہیں:

باب :قال ابن سبع : من خصائصه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: أن کل دابة رکبها بقیت علی القدر الذی کانت علیه، ولم تهرم ببرکته صلی الله تعالیٰ علیه وسلم. (۱)

ابن سبع نے کہا کہ: حضور کے خصائص میں سے یہ تھا کہ آپ جس جانور پر سوار ہوتے تو وہ عمر بھر ویسا ہی رہتا اور آپ کی برکت کے باعث بوڑھا نہ ہوتا، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

رابعاً: ابوعبدالرحمان بقی بن مخلد قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے، جو اکابر اعیان مأۃ ثالثہ سے ہیں حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حکایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جیسا روشنی میں دیکھتے تھے ویسا ہی تاریکی میں۔ اس حدیث کو بیہقی نے موصولاً مسنداً روایت کیا اور علامہ خفاجی نے اکابر علما مثل ابن بشکوال وعقیلی وابن جوزی وسہیلی سے اس کی تضعیف نقل کی، یہاں تک کہ ذہبی نے تو "**میزان الاعتدال**" میں موضوع ہی کہہ دیا۔ بہ ایں ہمہ خود علامہ خفاجی فرماتے ہیں: جیسا بقی بن مخلد وغیرہ ثقات نے اسے ذکر کیا اور حضور والا کی شان سے بعید نہیں تو اس کا انکار کس وجہ سے کیا جائے۔

"وهذا نصه ملتقطا: و حکی بقی ابن مخلد أبو عبد الرحمٰن، مولده فی

---

(۱) الخصائص الکبریٰ، قال ابن سبع من خصائصہ صلی اللہ علیہ وسلم، مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات،، ہند، ۲/۶۴

رمضان سنة إحدى ومائتين، و توفي سنة ست و سبعين و مائتين عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يرى في الظلمة كما يرى في الضوء. وفي رواية كما يرى في النور ولا شك أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان كامل الخلقة، قوي الحواس، فوقوع مثل هذا منه غير بعيد، وقد رواه الثقات كابن مخلد، هذا فلا وجه لإنكاره."(۱)

اس کی عبارت بالا اختصار یہ ہے: بقی بن مخلد ابوعبد الرحمٰن قرطبی جن کی ولادت رمضان المبارک ۲۰۱ھ اور وصال ۲۷۶ھ میں ہے، نے کہا کہ: عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تاریکی میں دیکھا کرتے تھے جس طرح تیز روشنی میں دیکھتے تھے۔ اور ایک روایت میں جس طرح کہ روشنی میں دیکھتے تھے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، کامل الخلقت، قوی الحواس تھے تو آپ سے اس کیفیت کا وقوع بعید نہیں، پھر اس کو ابن مخلد جیسے ثقات نے روایت کیا ہے لہٰذا اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔

خامساً: بسم الله الرحمن الرحيم، اس سب سے زیادہ یہ ہے کہ باوجود حدیث کے شدید الضعیف وغیر متمسک ہونے کے احیاء والدین، وسعت قدرت وعظمت شان رسالت پناہی پر نظر کرکے گردن تسلیم جھکائی اور سوا **سلمنا و صدقنا** کچھ بن نہ آئی۔

ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہوا، حجۃ الوداع میں ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جب عقبہ حجون پر گزر ہوا حضور اشکبار ورنجیدہ ومغموم ہوئے، پھر تشریف لے گئے، جب لوٹ کر آئے چہرہ بشاش تھا اور لب تبسم ریز، میں نے سبب پوچھا، فرمایا: میں اپنی ماں کی قبر پر گیا اور اور خدا سے عرض کیا کہ انھیں زندہ کردے، وہ قبول ہوئی، اور زندہ ہوکر ایمان لائیں اور پھر قبر میں آرام کیا۔

---

(۱) نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض، فصل اما وفور عقلہ الخ، مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات، ہند۔ ۲۷۲/۱ و ۲۷۳

’’أخرج الخطيب عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: حج بنا رسول الله صلى الله تعالیٰ علیه وسلم فمربی علی عقبة الجحون وهو باک حزین مغتم ثم ذهب و عاد و هو فرح متبسم، فسألته فقال ذهبت إلی قبر أمی فسألت الله أن یحییها، فاٰمنت بی و ردها الله.‘‘(۱)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمارے ہمراہ حج کیا، جب عقبہ جحون پر پہنچے تو رو رہے تھے اور غمگین تھے، پھر آپ کہیں تشریف لے گئے، جب واپس آئے تو مسرور تھے اور تبسم فرما رہے تھے۔ فرماتی ہیں: میں نے سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: میں اپنی ماں کی قبر پر گیا تھا، میں نے اپنے اللہ سے سوال کیا، اس نے ان کو زندہ کیا، وہ ایمان لائیں اور پھر انتقال فرما گئیں۔

امام جلال الدین سیوطی "خصائص" میں فرماتے ہیں: اس کی سند میں مجاہیل ہیں، اور سہیلی نے ام المومنین سے احیائے والدین ذکر کر کے کہا: اس کے اسناد میں مجہولین ہیں اور حدیث سخت منکر اور صحیح کے معارض۔

’’ففی "مجمع بحار الأنوار" و ح إحياء أبوی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم حتی أمنا به، قال فی إسناده مجاهيل وأنه ح منكر جدا یعارضه ما ثبت فی الصحیح.‘‘(۲)

"مجمع بحار الانوار" میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ فرمایا وہ آپ پر ایمان لائے۔ اس کے اسناد میں مجاہیل ہیں اور حدیث سخت منکر اور صحیح کے معارض ہے۔

بایں ہمہ اسی "مجمع بحار الانوار" میں لکھتے ہیں:

---

(۱) الخصائص الکبریٰ، بحوالہ الخطیب، باب ما وقع فی حجتہ الوداع الخ، مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات، ہند۔ ۲/۴۰

(۲) مجمع بحار الانوار، فصل فی تعیین بعض الاحادیث المشتہرۃ الخ، مطبوعہ: مکتبہ دار الایمان، مدینہ منورہ۔ ۵/۲۳۶

فی "المقاصد الحسنة" وما أحسن ما قال:

حبا الله النبی مزید فضل — علی فضل وکان به رؤوفا

فاحییٰ أمه و کذا أباه — لإ یمان به فضلا لطیفا

نسلم فالقدیم بذا قدیر — وإن کان الحدیث به ضعیفا(۱)

حاصل یہ کہ "مقاصد" میں ہے اور کیا خوب کہا:

خدا نے نبی کو فضل پر فضل زیادہ عطا فرمائے اور ان پر نہایت مہربان تھا، پس ان کے والدین کو ان پر ایمان لانے کے لیے زندہ کیا اپنے فضل لطیف سے، ہم تسلیم کرتے ہیں کہ قدیم تو اس پر قدرت رکھتا ہے اگرچہ جو حدیث اس معنیٰ میں وارد ہوئی، ضعیف ہے۔

اے عزیز! سنا تو نے، یہ ہے طریقہ اراکین دین متین و اساطین شرح متین، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و محبت میں، نہ یہ کہ جو معجزہ و خاصہ حضور کا احادیث صحیحہ سے ثابت اور اکابر علما برابر اپنی تصانیف معتبرہ مستندہ میں، جن کا اعتبار و استناد آفتاب نیم روز سے روشن تر ہے بلا نکیر و منکر اس کی تصریح کرتے آئے ہوں اور اس کے ساتھ عقل سلیم نے ان پر وہ دلائل ساطعہ قائم کیے ہوں جن پر کوئی حرف نہ رکھ سکے، بایں ہمہ اس سے انکار کیجیے اور حق ثابت کے رد پر اصرار، حالاں کہ نہ ان حدیثوں میں کوئی سقم مقبول و جرح معقول می دارد، نہ ان ائمہ کے مستند با دلائل معتمد ہونے میں کلام کر سکو، پھر اس مکابرہ کج بحثی اور تحکم و زبردستی کا کیا علاج!؟ زبان ہر ایک کی اس کے اختیار میں ہے چاہے دن کو رات کہہ دے یا شمس کو ظلمات۔

آخر تم جو انکار کرتے ہو تمھارے پاس بھی کوئی دلیل ہے؟ یا فقط اپنے منھ سے کہہ دینا، اگر بفرض محال جو حدیثیں اس باب میں وارد ہوئیں نامعتبر ہوں اور جن جن علما نے اس کی تصریح فرمائی انھیں بھی قابل اعتماد نہ مانو اور جو دلائل قاطعہ اس پر قائم ہوئے وہ بھی صالح التفات نہ کہے جائیں، تاہم انکار کا کیا ثبوت؟ اور وجود سایہ کا کس بنا پر؟ اگر کوئی حدیث اس بارے میں آئی ہو تو دکھاؤ؟ یا

(۱) مجمع بحارالانوار، فصل فی تعیین بعض الاحادیث المشتہرۃ الخ، مطبوعہ: مکتبہ دارالایمان، مدینہ منورہ۔ ۲۳۶/۵

گھر بیٹھے تمھیں الہام ہوا ہو تو بتاؤ؟ مجرد ما ومن پر قیاس تو ایمان کے خلاف ہے ع

چه نسبت خاک را با عالم پاک (مٹی کو عالم پاک سے کیا نسبت۔ت)

وہ بشر ہیں مگر عالم علوی سے لاکھ درجہ اشرف واحسن، وہ انسان ہیں مگر ارواح وملائکہ سے ہزار درجہ الطف، وہ خود فرماتے ہیں: لست کمثلکم [1] "میں تم جیسا نہیں" رواہ الشیخان (اسے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا۔ت)، ویروی: لست کھیئتکم [2] "میں تمھاری ہیئت پر نہیں" ویروی: أیکم مثلی؟ [3] "تم میں کون مجھ جیسا ہے"؟

آخر علامہ خفاجی کو فرماتے سنا: آپ کا بشر ہونا اور نور درخشندہ ہونا منافی نہیں کہ اگر سمجھے تو وہ نور علی نور ہیں، پھر اس خیال فاسد پر کہ ہم سب کا سایہ ہوتا ہے ان کا بھی ہوگا تو ثبوت سایہ کا قائل ہونا عقل وایمان سے کس درجہ دور پڑتا ہے ع

محمد بشر لا کالبشر بل ھو یا قوت بین الحجر [4]

(محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایسے بشر ہیں جن جیسا کوئی بشر نہیں، بلکہ وہ پتھروں کے درمیان یاقوت ہیں۔ت)

صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلی ألہ و صحبہ أجمعین.

القائے جواب:

ایقاظ دفع بعض اوہام وامراض میں، اس مقام پر باوجودیکہ قلب بحمداللہ غایت اطمینان و تسلیم پر تھا مگر مرتبہ کاوش وتنقیح میں بوسوسہ ایک خدشہ ذہن ناقص میں گزرا تھا یہاں تک کہ حق جل و

(۱) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب الوصال، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی۔ ۲۶۳/۱

☆ صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب النہی عن الوصال، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی۔ ۳۵۱/۱و۳۵۲

(۲) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب الوصال، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی۔ ۲۶۳/۱و۲۶۴

☆ صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب النہی عن الوصال، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی۔ ۳۵۱/۱و۳۵۲

(۳) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب الوصال، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی۔ ۲۶۳/۱

☆ صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب النہی عن الوصال، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی۔ ۳۵۱/۱

(۴) افضل الصلوٰۃ علی سید السادات، فضائل درود، مطبوعہ: مکتبہ نبویہ، لاہور۔ص ۱۵۰

علانے اپنے کرم عمیم سے فقیر کو اس کا جواب القا فرمایا جس سے تصور کو نور اور دل منتظر کو سرور حاصل ہوا۔

الحمد لله على ما اولىٰ، والصلوة والسلام على هذا المولىٰ.

(سب تعریفیں اللہ کے لیے جو تعریفوں کے لائق ہے اور درود وسلام آقائے دوجہاں پر۔)

فاقول و بالله التوفيق : (چنانچہ میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ت)

مقدمہ اولیٰ:

احادیث صحیحہ سے ثابت کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضور رسالت میں نہایت ادب و وقار سے سر جھکائے، آنکھیں نیچی کیے بیٹھے، رعب جلال سلطانی ان کے قلوب صافیہ پر ایسا مستولی ہوتا کہ اوپر نگاہ اٹھانا ممکن نہ تھا۔

"عن مسور بن مخرمة ومروان ابن الحكم فی حديث طويل فی قصة الحديبية ثم أن عروة جعل يرمق أصحاب النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعينيه، قال:فوالله ماتنخم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم نخامة إلا وقعت فی كف رجل منهم، فدلک بها وجهه وجلده، وإذا أمرهم إبتدروا أمره، و إذا توضأ كادوا يقتتلون على وضوئه، و إذا تكلم خفضو أصواتهم عنده، وما يحدون النظر إليه تعظيماله، فرجع عروة إلى أصحابه، فقال: أی قوم! والله لقد وفدت على الملوک قيصر وكسرىٰ والنجاشی، و الله إن رأيت ملكا قط يعظمه أصحابه ما يعظم أصحاب محمد محمدا (صلى الله تعالىٰ عليه وسلم)."(۱)

مسور بن مخرمہ اور مروان بن الحکم حدیبیہ کے طویل قصے میں ذکر کرتے ہیں کہ عروہ اصحاب نبی

(۱) صحیح البخاری، باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب الخ، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی۔ ۱/ ۳۷۹

☆ الخصائص الکبریٰ، باب ماوقع عام الحدیبیہ من الآیات والمعجزات، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی۔ ۱/ ۲۴۰ و ۲۴۱

کوگھوررہاتھا، اس نے کہا کہ بخدارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب بھی ناک سنکی تو کسی نہ کسی صحابی کے ہاتھ میں پڑی اوراس نے اپنے چہرے پرملی اوراپنے جسم پرلگائی، جب آپ نے حکم دیا تو انھوں نے ماننے میں جلدی کی، جب آپ وضوفرماتے تو وضو کا پانی لینے پرلڑنے کے قریب ہوجاتے، اور جب گفتگوفرماتے تو صحابہ اپنی آوازیں پست کرلیتے اورآپ کی تعظیم کی وجہ سے آپ کی طرف نگاہ نہ کرپاتے تھے، تو وہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ آیا اور کہا میں قیصروکسری ونجاشی کے درباروں میں آیا مگرایسا کوئی بادشاہ نہ دیکھا جس کی تعظیم اس کے ساتھی ایسے کرتے ہوں جیسی محمد کی ان کے صحابی کرتے ہیں۔

اسی وجہ سے حلیہ شریف میں اکثر اکابر صحابہ سے حدیثیں وارد ہیں کہ وہ نگاہ بھرکرنہ دیکھ سکتے بلکہ نظراوپرنہ اٹھاتے **کما سیأتي** (جیسا کہ آگے آرہاہے۔ت) بلکہ اس معنی میں کسی حدیث ورود کی بھی حاجت کیاتھی، عقل سلیم خودگواہی دیتی ہے کہ ادنی ادنی نوابوں اور والیوں کے حاضرین دربار ان کے ساتھ کس ادب سے پیش آتے ہیں، اگرکھڑے ہیں تو نگاہ قدموں سے تجاوزنہیں کرتی، بیٹھے ہیں تو زانو سے آگے قدم نہیں رکھتے، خوداس حاکم سے نگاہ چارنہیں کرتے، پس وپیش یا دائیں بائیں دیکھنا تو بڑی بات ہے حالاں کہ اس ادب کو صحابہ کرام کے ادب سے کیا نسبت؟ ایمان ان کے دلوں میں پہاڑ سے زیادہ گراں تھا اور دربار اقدس کی حاضری ان کے نزدیک ملک السموت والارض کا سامنا، اور کیوں نہ ہوتا کہ خودقرآن عزیز نے انھیں صدہا جگہ کان کھول کھول کرسنادیا کہ ہمارا اور ہمارے محبوب کا معاملہ واحد ہے، اس کا مطیع ہمارا فرماں برداراوراس کا عاصی ہمارا گنہگار، ان سے الفت، ہمارے ساتھ محبت اوران سے رنجش، ہم سے عداوت، ان کی تکریم، ہماری تعظیم اوران کے ساتھ گستاخی، ہماری بے ادبی، لہٰذا جب ملازمت والا حاصل ہوئی قلب ان کے خوف خدا سے ممتلی اورگردنیں خم اورآنکھیں نیچی اورآوازیں پست اوراعضا ساکن ہوجاتے۔ ایسی حالت میں نظراین و آں کی طرف کب ہوسکتی ہے؟ جوسایہ کے عدم یا وجود کی طرف خیال جائے اور بالضرور ایسے سراپا

ادب، ہمہ تن تعظیم لوگوں کی نگاہ اپنے عرش پائے گاہ کی طرف بے غرض مہم نہ ہوگی، اس حالت میں نفس کو اس مقصود کی طرف توجہ ہوگی، مثلاً نظارہ جمال با کمال یا حضور کا مطالعہ افعال و اعمال، تا کہ خود ان کا اتباع کریں اور غائبین تک روایت پہنچائیں کہ وہ حاملان شریعت تھے اور راویان ملت اور حاضری دربار اقدس سے ان کی غرض اعظم یہی تھی، جب نگاہ اس رعب و ہیبت اور اس ضرورت و حاجت کے ساتھ اٹھے تو عقل گواہ ہے کہ ایسی حالت میں ادھر ادھر دھیان نہیں جائے گا کہ قامت اقدس کا سایہ ہمیں نظر نہ آیا، آخر نہ سنا کہ ایک ان کا نماز میں مصروف ہوتا، تکبیر کے ساتھ دونوں جہان سے ہاتھ اٹھاتا، کوئی چیز سامنے گزرے اطلاع نہ ہوتی، اور کیسا ہی شوروغوغا ہو کان تک آواز نہ جاتی یہاں تک کہ مسلم بن یسار کہ تابعین میں ہیں نماز پڑھتے تھے، مسجد کا ستون گر پڑا، لوگ جمع ہوئے، شوروغوغا ہوا، انھیں مطلق خبر نہ ہوئی، یہی حالت صحابہ کی حضور رسالت میں تھی اور دربار نبوت میں بارگاہ عزت باری۔

اے عزیز! زیادہ خوض بیکار ہے تو اپنے ہی نفس کی طرف رجوع کر، اگر کسی مقام پر عالم رعب و ہیبت میں تیرا گزر رہا ہو، وہاں جو کچھ پیش نظر آتا ہے اسے بھی اچھے طور پر ادراک کامل نہیں کر سکتا، نہ امر معدوم کی طرف خیال کیا جائے کہ مثلاً اگر تجھے کسی والی ملک سے ایسی ضرورت پیش آئے جن کی فکر تجھے دنیا و مافیہا پر مقدم ہو اور اس کے دربار تک رسائی کر کے اپنا عرض حال کرے تو تجھے اول تو رعب سلطانی، دوسرے اپنی اس ضرورت کی طرف قلب کو نگرانی ہر چیز کی طرف توجہ سے مانع ہوں گے، پھر اگر تو واپس آئے اور تجھ سے سوال ہو وہاں دیواروں میں سنگ موسیٰ تھا یا سنگ مرمر؟ اور تخت کے پائے سیمیں تھے یا زریں؟ اور مسند کا رنگ سبز تھا یا سرخ؟ ہرگز ایک بات کا جواب نہ دے سکے گا بلکہ خود اسی بات کو پوچھا جائے کہ بادشاہ کا سایہ تھا یا نہ تھا، تو اگرچہ اس قیاس پر کہ سب آدمیوں کے لیے ظل ہے، ہاں کہہ دے مگر اپنے معائنے سے جواب نہ دے سکے گا۔

صحابہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تو اول روز ملازمت سے تا آخر حیات جو کیفیت رعب و

ہیبت کی طاری رہی، ہماری عقول ناقصہ اس کی مقدار کے ادراک سے بھی عاجز ہیں، پھر ان کی نظر اوپر اٹھ سکتی اور چپ وراست دیکھ سکتی کہ سائے کے عدم یا وجود پر اطلاع ہوتی؟

ثم اقول: (پھر میں کہتا ہوں: ت)

اپنے نفس پر قیاس کر کے گمان نہ کرنا چاہیے کہ بعد مرور زمان وتکرر حضور کے، ان کی اس حالت میں کمی ہو جاتی بلکہ بالیقین روز بہ روز زیادہ ہوتی کہ باعث اس پر دو امر ہیں:

ایک خوف کہ اس عظمت کے تصور سے پیدا ہو جو اس سلطان دوعالم کو بارگاہ ملک السموات والارض جل جلالہ میں حاصل ہے۔

دوسری محبت ایمانی کہ مستلزم خشوع کو اور منافی جرأت وبیباکی۔

اور یہ ظاہر کہ جس قدر دربار والا میں حضوری زائد ہوتی۔ یہ دونوں امر جو اس پر باعث ہیں بڑھتے جاتے، حضور کے اخلاق وعادات اور رحمت والطاف معائنے میں آتے، حسن واحسان کے جلوے ہر دم لطف تازہ دکھاتے، قرآن آنکھوں کے سامنے نازل ہوتا اور طرح طرح سے اس بارگاہ کے آداب سکھاتا اور ظاہر فرماتا کہ:

آداب بارگاہ:

ہمارا ان کا معاملہ واحد ہے، جو ان کا غلام ہے ہمارا قائد ہے، ان کے حضور آواز بلند کرنے سے عمل حبط ہو جاتے ہیں، انھیں نام لے کر پکارنے والے سخت سزائیں پاتے ہیں، اپنے جان ودل کا انھیں مالک جانو، ان کے حضور زندہ بدست مردہ ہو جاؤ، ہمارا ذکر ان کی یاد کے ساتھ ہے، ان کا ہاتھ بعینہٖ ہمارا ہاتھ ہے، ان کی رحمت ہماری مہر، ان کا غضب ہمارا قہر، جس قدر ملازمت زیادہ ہوتی حضور کی عظمت ومحبت ترقی پاتی اور وہ حال مذکور یعنی خشوع وخضوع ورعب، ہیبت روز افزوں کرتی

قَالَ تَعَالٰی: ﴿زَادَتۡهُمۡ اِیۡمَانًا﴾[القرآن الکریم، ۹/ ۱۲۴]

(اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ: آیات ان کے ایمان کو زیادہ کرتی ہیں۔ ت)

اور ایمان حضور کی تعظیم ومحبت کا نام ہے، **کما لا یخفیٰ**.(جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت)

مقدمہ ثانیہ:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. پر ظاہر کہ آدمی بلاوجہ کسی بات کے درپے تفتیش نہیں ہوتا اور جو بات عام وشامل ہوتی ہے اور تمام آدمی اس میں یکساں کسی شخص خاص میں بالقصد اس کی طرف غور نہیں کرتا مثلاً ہر ہاتھ کی پانچ انگلیاں ہونا ایک امر عام ہے لہٰذا بلا سبب کسی آدمی کی انگلیوں کو کوئی شخص اس مقصد خاص سے نہیں دیکھتا کہ اس کی انگلیاں پانچ ہیں یا کم، ہاں اگر پہلے سے سن رکھا ہو کہ زید کی انگلیاں چار ہیں یا چھ تو اس صورت میں البتہ بقصد مذکور نظر کی جائے گی۔اسی طرح سایہ ایک امر عام شامل ہے، اگر بعض آدمیوں کا سایہ پڑتا اور بعض کا نہیں تو البتہ بے شک خیال جانے کی بات تھی کہ دیکھیں حضور کے بھی سایہ ہے یا نہیں، نہ اس سے کوئی امر دینی مثل اتباع واقتدا کے متعلق تھا کہ اس کے خیال سے بالقصد اس طرف لحاظ کیا جاتا۔ ہاں! ایسی صورت میں ادراک کا طریقہ یہ ہے کہ بے قصد وتوجہ خاص نظر پڑ جائے اور وہ صورت بعد تکرر مشاہدہ ذہن میں منقش اور مثل مرئیات قصدیہ کے خزانہ خیال میں مخزون ہو جائے، مثلاً زید کہ ہمارا دوست ہے، ہم اپنے مشاہدے کی رو سے بتا سکتے ہیں کہ اس کے ہر ہاتھ کی انگلیاں پانچ ہیں اگر چہ ہم نے کبھی اس قصد سے اس کے ہاتھوں کو نہیں دیکھا ہے مگر ہم نے اس کے ہاتھوں کو بار بار دیکھا ہے، وہ صورت خزانہ میں محفوظ ہے، نفس اسے اپنے حضور حاضر کر کے بتا سکتا ہے لیکن ہم 'مقدمہ اولیٰ' میں ثابت کر آئے ہیں کہ یہ طریقہ ادراک وہاں معدوم تھا کہ رعب وہیبت اور امور مہمہ کی طرف توجہ اور حضور کے استماع اقوال ومطالعہ افعال ہمہ تن صرف ہمت اور نگاہ کا بسبب غایت ادب وخوف الٰہی کے اپنے زانو وپشت پا سے تجاوز نہ کرنا اس ادراک بلاقصد سے مانع قوی تھا علی الخصوص کسی شے کا عدم کہ وہ تو کوئی امر محسوس نہیں جس پر بے ارادہ بھی نگاہ پڑ جائے اور نفس اسے یاد رکھے، یہاں تو جب تک خیال نہ کیا جائے علم عدم حاصل نہ ہوگا، آدمی جب ایسے مقام رعب وہیبت اور قلب کی مشغولی ومشغوفی میں ہوتا ہے تو کسی چیز کی عدم رویت سے اس

کے عدم پر استدلال نہیں کرتا اور جب اذہان میں بناء بر عادت اس کا عموم وشمول متمکن ہوتا ہے تو بر خلاف عادت اس کے معدوم ہونے کی طرف خیال نہیں جاتا بلکہ اس سے اگر تفتیش کی جائے اور اس امر کی طرف خیال دلایا جائے وخواہ مخواہ اس کا گمان اس طرف مسارعت کرتا ہے کہ جب یہ امر عام ہے تو ظاہراً یہاں بھی ہوگا۔ میرا نہ دیکھنا کچھ نہ ہونے پر دلیل نہیں، میری نظر میں نہ آنا اس وجہ سے تھا کہ اول میری نگاہ ادھر ادھر نہ اٹھتی تھی اور جو اٹھی بھی تو ہزار رعب، ہیبت اور نفس کے امور دیگر کی طرف صَرفِ ہمت کے ساتھ ایسی حالت میں کیسے کہہ سکوں گا کہ تھا یا نہ تھا۔

ثم اقول:

یہ کیفیت تو اس وقت کی تھی جب صحابہ کرام حضور سے ملاقی ہوتے اور جو ہمراہ رکاب سعادت انتساب ہوتے تو وہاں باوجود ان وجوہ کے ایک وجہ اور بھی تھی کہ غالب اوقات صحابہ کرام کو آگے چلنے کا حکم ہوتا اور حضور ان کے پیچھے چلتے۔

ترمذی نے "شمائل" کی حدیث طویل میں حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا **یسوق أصحابه.**(۱)

یعنی حضور والا صحابہ کرام کو اپنے آگے چلاتے۔

امام احمد نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا:

"ما رأیت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یطأعقبه رجلان."(۲)

حاصل یہ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ دیکھا کہ دو آدمی بھی حضور کے پیچھے چلے ہوں۔

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا:

"کان أصحاب رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یمشون أمامه و

---

(۱) شمائل ترمذی، باب ما جاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، مطبوعہ: امین کمپنی، دہلی۔ ص ۲

(۲) مسند احمد بن حنبل، عن عبداللہ بن عمرو بن العاص، مطبوعہ: المکتب الاسلامی، بیروت۔ ۲/ ۱۶۵

☆ سنن ابن ماجہ، باب من کرہ ان یوطأ عقباہ، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی۔ ص ۲۲

یکون ظھرہ للملٰئکۃ."(۱)

اصحاب، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آگے چلتے اور پشت اقدس فرشتوں کے لیے چھوڑتے۔

دارمی نے بہ اسناد صحیح مرفوعاً روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

"خلوا ظھری للملٰئکۃ."(۲)

میری پیٹھ فرشتوں کے لیے چھوڑ دو۔

بالجملہ ہماری اس تقریر سے جو بالکل وجدانیات پر مشتمل ہے، کوئی شخص اگر مکابرہ نہ کرے، بالیقین اس کا دل ان سب کیفیات کے صدق پر گواہی دے، بخوبی ظاہر ہوگیا کہ ظاہراً اکثر صحابہ کرام کا خیال اس طرف نہ گیا اور اس معجزے کی انھیں اطلاع نہ ہوئی اور اگر بر سبیل تنزل ثابت و مبرہن ہو جانا نہ مانئے تو ان تقریروں کی بناء پر یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ عدم اطلاع کا احتمال قوی ہے، قوت بھی جانے دو اتنا ہی سہی کہ شک واقع ہوگیا، پھر یہی استدلال سن کر کہ اگر ایسا ہوتا تو مثل حدیث ستون حنانہ مشہور و مستفیض ہوتا، کب باقی رہا، خصم کہہ سکتا ہے کہ ممکن ہے عدم شہرت بسبب عدم اطلاع کے ہو **کما ذکرنا وباللہ التوفیق.** (جیسا کہ ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہا۔ت)

مقدمہ ثالثہ:

ہماری تنقیح سابق سے لازم نہیں آتا کہ بالکل کسی کو اس معجزے پر اطلاع نہ ہو اور کوئی اسے روایت نہ کرے، صغیر السن بچوں کو بعض اوقات اس قسم کی جرأتیں حاصل ہوتی ہیں اور وہ اسی طریقہ سے جو ہم نے مقدمہ ثانیہ میں ذکر کیا ادراک کر سکتے ہیں، اسی سبب سے اکثر احادیث حلیہ شریفہ ہند ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مشتہر ہوئیں نہ کہ اکابر صحابہ سے۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ، باب من کرہ ان یوطأ عقباہ، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی۔ ص۲۲

☆ مسند احمد بن حنبل، عن عبداللہ بن عمرو بن العاص، مطبوعہ: المکتب الاسلامی، بیروت۔ ۲/۱۶۵

☆ موارد الظمآن، کتاب علامات نبوۃ نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، حدیث ۲۰۹۹، مطبوعہ: المطبع السلفیۃ۔ص۵۱۵

(۲) سنن الدارمی، تحت الحدیث ۴۶، مطبوعہ: دار المحاسن للطباعۃ، قاہرہ۔ ۱/۲۹

ترجمہ ابن ابی ہالہ میں علامہ خفاجی فرماتے ہیں:

"وكان ربيب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أخا لفاطمة (رضى الله تعالىٰ عنها) وخال الحسنين رضى الله تعالىٰ عنهم فكان لصغره يتشبع من النظر لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و يديم النظر لوجهه الكريم لكونه عنده داخل بيته فلذا إشتهر وصف النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عنه دون غيره من كبار الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم فإنهم لكبرهم كانوا يهابون إطالة النظر إليه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فأحاط به نظره إحاطة الهالة بالبدر والأكمام بالثمر. هنيئا له مع أن ما قاله قطرة من بحر:

وعلى تفنن عاشقيه بوصفه يفنى الزمان وفيه مالم يوصف [1]

(ہند ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زیر سایہ پرورش پانے والے تھے۔ آپ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی (اخیافی) اور حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ماموں تھے۔ آپ صغرسنی میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سیر ہو کر دیکھتے اور چہرۂ اقدس پر ہمیشہ نگاہ ٹکائے رکھتے کیوں کہ آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آپ کے گھر میں رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حلیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصف ہند بن ابی ہالہ سے مشتہر ہوا نہ کہ اکابر صحابہ سے، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ کیوں کہ صحابہ کبار شان وعظمت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہیبت کے باعث آپ پر نظریں نہیں ٹکا سکتے تھے۔ ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یوں احاطہ کرتی تھی جیسا کہ ہالہ چودھویں کے چاند کا اور کلیاں کھجوروں کا احاطہ کرتی ہیں۔ آپ کو یہ سعادت مبارک ہو۔ مگر اس کے باوجود جو کچھ ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا وہ ایسے ہی ہے جیسے سمندر سے ایک قطرہ۔

قسم قسم کی تعریفیں کرتے ہوئے اس کے عاشقوں کو زمانے ختم ہو گئے مگر اس میں وہ خوبیاں

---

(۱) نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض، فصل ثالث، مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات، ہند۔ ۲/ ۳۲۷

ہیں جن کو بیان نہیں کیا جا سکا۔(ت) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اور ہر ذی علم جانتا ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما زمانہ نبوت میں صغیر السن تھے اور ان کا شمار بہ اعتبار عمر اصاغر صحابہ میں ہے اگر چہ بہ برکت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علم وفقاہت میں اکثر شیوخ صحابہ پر مقدم تھے۔

مقدمہ رابعہ:

صحابہ کرام میں ہزاروں ایسے ہیں جنھیں طول صحبت نصیب نہ ہوا اور بہت ایسے ہیں جنھوں نے سوائے مجامع عظیم کے شرف زیارت نہ پایا۔ غیر مدینہ کے گروہ کے گروہ حاضر ہوتے اور عرصہ قلیلہ میں واپس جاتے، ایسی صورت اور مجمع کی کثرت میں موقع سایہ پر نظر اور اس کے ساتھ عدم سایہ کی طرف خیال جانا کیا ضرور؟ ظاہر ہے کہ مجمع میں سایہ ایک کا دوسرے سے ممتاز نہیں ہوتا اور کسی شخص خاص کی نسبت امتیاز کرنا کہ اس کے لیے ظل ہے یا نہیں؟ دشوار ہوتا ہے۔ علاوہ بریں یہ کس نے واجب کیا کہ ان اوقات پر حضور والا دھوپ یا چاندنی میں جلوہ فرما ہوں، کیا مدینہ طیبہ میں سایہ دار مکان نہ تھے یا مسجد شریف کہ اکثر وہیں تشریف رکھتے بے سقف تھی؟

احادیث سے ثابت کہ سفر میں صحابہ کرام حضور کے لیے سایہ دار پیڑ چھوڑ دیتے اور جو کہیں سایہ نہ ملا تو کپڑے وغیرہ کا سایہ کر لیا جیسا کہ روز قدوم مدینہ طیبہ سیدنا ابی بکر صدیق اور حجۃ الوداع میں واقع ہوا اور قبل از بعثت تو ابر سایہ کے لیے متعین تھا ہی، جب چلتے ساتھ چلتا اور جب ٹھہرتے ٹھہر جاتا، اور ام المومنین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے غلام میسرہ نے فرشتوں کو سر اقدس پر سایہ کرتے دیکھا اور سفر شام میں آپ کسی حاجت کو تشریف لے گئے تھے، لوگوں نے پیڑ کا سایہ گھیر لیا تھا، حضور دھوپ میں بیٹھ گئے سایہ حضور پر جھک گیا۔ بحیرا عالم نصاریٰ نے کہا دیکھو سایہ ان کی طرف جھکتا ہے۔ اور بعض اسفار میں ایک درخت خشک و بے برگ کے نیچے جلوس فرمایا، فوراً زمین حضور کے گرد کی سبزہ زار ہوگئی اور پیڑ ہرا ہو گیا، شاخیں اسی ساعت بڑھ گئیں اور اپنی کمال بلندی کو پہنچ کر

سائے کے لیے حضور پر لٹک آئیں۔ چنانچہ یہ سب حدیثیں کتب سیر میں تفصیلاً مذکور ہیں۔

اب نہ رہے مگر وہ لوگ جنھیں طول صحبت روزی ہوا اور حضور کو آفتاب یا ماہتاب یا چراغ کی روشنی میں ایسی حالت میں دیکھا کہ مجمع بھی کم تھا اور موقع سایہ پر بالقصد نظر بھی کی اور ادراک کیا کہ جسم انور ہمسائیگی سایہ سے دور ہے، اور ظاہر ہے کہ ان سب کا احساس وانکشاف جن لوگوں کے لیے ہوا ہے وہ بہت کم ہیں، جن کے واسطے نہ ہوا پھر اس طائفہ قلیلہ سے یہ کیا ضرور ہے کہ ہر شخص یا اکثر اس معجزے کو روایت کرے، ہم نہیں تسلیم کرتے کہ مجرد خرق عادت باعث توفر دواعی ونقل جمیع اکثر حاضرین ہے۔

خادم حدیث پر کالشّمس فی نصف النہار روشن کہ صدہا معجزات قاہرہ حضور سے غزوات واسفار ومجامع عامہ میں واقع ہوئے کہ سیکڑوں ہزاروں آدمیوں نے ان پر اطلاع پائی مگر ان کی ہم تک نقل صرف آحاد سے پہنچی۔

واقعہ حدیبیہ میں انگشتان اقدس سے پانی کا دریا کی طرح جوش مارنا اور چودہ پندرہ سو آدمی کا علی اختلاف الروایات اسے پینا اور وضو کرنا اور بقیہ توشہ کو جمع کر کے دعا فرمانا اور اس سے لشکر کے سب برتن بھر دینا اور اسی قدر باقی بچ رہنا، ایسے معجزات میں ہیں اور بالضرور چودہ پندرہ سو آدمی سب کے سامنے اس کا وقوع ہوا اور سب نے اس پر اطلاع پائی مگر ان میں سے چودہ نے بھی اسے روایت نہ فرمایا۔

فقیر نے کتب حاضرہ احادیث خصوصاً وہ کتابیں سیر وفضائل کی جن کا موضوع ہی اس قسم کی باتوں کا تذکرہ ہے مانند "شفاے قاضی عیاض "، "شرح خفاجی "، "مواھب لدنیه"، "شرح زرقانی "، "مدارج النبوة "، "خصائص کبریٰ "علامہ جلال الدین سیوطی وغیرہا مطالعہ کیں، پانچ سے زیادہ راوی اس واقعے کے نہ پائے۔ اسی طرح ردشمس یعنی غروب ہو کر سورج کا لوٹ آنا اور مغرب سے عصر کا وقت ہو جانا جو غزوہ خیبر میں مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ کے لیے واقع

ہوا۔کیسی عجیب بات ہے کہ عدم ظل کو اس سے اصلاً نسبت نہیں اور اس کا وقوع بھی ایک غزوہ میں ہوا **کما ذکرنا** (جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ت) اور تعداد لشکر خیبر کی سولہ سو، بالضرور یہ سب حضرات اس پر گواہ ہوں گے کہ ہر نمازی مسلمان خصوصاً صحابہ کرام کو بغرض نماز آفتاب کے طلوع وغروب زوال کی طرف لاجرم نظر ہوتی ہے۔

توریت میں وصف اس امت مرحوم کا '**رعاۃ الشمس**' کے ساتھ وارد ہوا **کما رواہ أبو نعیم عن کعب الأحبار عن سیدنا موسی علیه الصلوۃ والسلام** (جیسا کہ اس کو ابونعیم نے بحوالہ کعب احبار سیدنا موسی علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کیا ہے۔ت) یعنی آفتاب کے نگہباں کہ اس کے تبدل احوال اور شروق وافول وزوال کے جویاں وخبر گیراں رہتے تھے، جب آفتاب نے غروب کیا ہوگا بالضرور تمام لشکر نے نماز کا تہیہ کیا ہوگا، دفعتہً شام سے دن ہوگیا اور خورشید الٹے پاؤں آیا، کیا ایسے عجیب واقعہ کو دریافت نہ کیا اور نہ معلوم ہوا ہوگا کہ اس کے حکم سے لوٹا ہے جسے قادر مطلق کی نیابت مطلقہ اور عالم علوی میں دست بالا حاصل ہے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) لیکن اس کے سوا اگر کسی صاحب کو معلوم ہو کہ اتنی بڑی جماعت سے دو چار آدمیوں نے بھی اس معجزے کو روایت کیا تو نشان دیں۔

بالجملہ یہ حدیث واہبہ ہے جس کی بناء پر ہم عقل ونقل واتباع حدیث وعلما کو ترک نہیں کر سکتے، کیا یہ اکابر اس قدر نہ سمجھتے تھے یا انھوں نے دیدہ ودانستہ خدا اور رسول پر افترا گوارہ کیا، **لاحول ولا قوۃ إلا باللہ العلی العظیم**، بلکہ جب ایک راوی اس حدیث عدم ظل کے ذکوان ہیں اور وہ خود ابو صالح سمان زیات ہوں یا ابوعمرو مدنی مولائے صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما **تردد فیه الزرقانی** (اس میں زرقانی نے تردد کیا۔ت) بہر تقدیر تابعی ثقہ معتمد علیہ ہیں **کما ذکر ایضا**... اور تابعین و علمائے ثقات اہل ورع واحتیاط سے مظنون یہی ہے کہ غالب حدیث کو مرسلاً اسی وقت ذکر کریں گے جب انھیں شیوخ وصحابہ کثیرین سے اسے سن کر مرتبہ قرب ویقین حاصل کرلیا ہو۔ابراہیم نخعی فرماتے 1

ہیں: اوروجہ اس کی ظاہر ہے کہ درصورت اسناد، صدق وکذب سے اپنے آپ کوغرض نہ رہی۔ جب ہم نے کلام کواس کی طرف نسبت کردیا جس سے سنا ہے تو ہم بری الذمہ ہوگئے بخلاف اس کے کہ اس کا ذکر ترک کردیں اورخود لکھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا کیا، ایسا فرمایا، اس صورت میں بار اپنے سر پر رہا تو عالم ثقہ، متورع، محتاط، بے کثرت سماع واطمینان کلی قلب کے ایسی بات سے دور رہے گا۔ اس طور پر ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سایہ نہ ہونا بہت صحابہ نے دیکھا اوران سب سے ذکوان کوسماع حاصل ہوا اگرچہ ان کی روایات ہم تک نہ پہنچیں۔

هكذا ينبغي أن يفهم المقام و ينقح المرام، والله ولي الفضل والتوفيق والإنعام، هذا وقد بقي بعض خبايا في زوايا الكلام لعلها يفوز بها فكر. و هذا كله قد وجد مما ألهمني ربي بفضل منه و نعمة لا يجد من قلبي إن ربي لذو فضل عظيم إنه هو الرؤف الرحيم ولا حول ولا قوة إلا بالله العزيز الحكيم. وظني أني بحمد ربي الجليل قد أثبت في المسئلة ما يشفي العليل، و يروى الغليل، ولا يخل بالكثير ولا بالقليل، والله يقول الحق وهو يهدى السبيل، إنه حسبي ونعم الوكيل، أسأله أن يجنبني بها وكل من زل زلة، و يجعلها ظلا ظليلا على رؤسنا يوم لا ظل إلا ظله، و أن يصلي على أبهى أقمار الرسالة و أبهرها، وأسنى شموس الكرامة وأنوارها الذي لم يكن له ظل في شمس و لا قمر، وفديات و صله وعلى صحبه وآله متظللين بأذياله والداعين إلى نعم أظلاله، و علينا معهم أجمعين برحمة إنه رؤف رحيم، و أخر دعونا أن الحمد لله رب العلمين.

(اسی طرح چاہیے مقام کی تفہیم اورمقصد کی تنقیح۔ اللہ تعالیٰ ہی فضل وتوفیق اورانعام کا مالک ہے۔ تحقیق کہ ابھی کچھ پوشیدگیاں کلام کے گوشوں میں باقی ہیں۔ امید ہے کہ فکر صائب ان تک رسائی حاصل کرلے گی۔ یہ جو کچھ مذکور ہوا میرے رب نے اپنے فضل ونعمت سے میرے دل میں ڈالا

ہے یہ میرے دل کی تخلیق نہیں ہے۔ بے شک میرا رب بڑے فضل والا ہے اور وہ رؤف ورحیم ہے۔ عزت وحکمت والے اللہ کی توفیق کے بغیر نہ گناہ سے بچنے کی طاقت ہے نہ نیکی کرنے کی قوت۔ میرا گمان ہے کہ میں نے اپنے رب جلیل کی حمد سے مسئلۂ مذکورہ میں وہ کچھ ثابت کر دیا ہے جو بیمار کو شفا دے گا اور پیاسے کو سیراب کرے گا اور قلت وکثرت کے ساتھ مخل نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ حق فرماتا ہے اور راہ راست کی ہدایت فرماتا ہے بے شک وہ میرے لیے کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے، میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اور ہر لغزش کرنے والے کو اس کی برکت سے لغزش سے بچائے اور اسے ہمارے سروں پر گہرا سایہ بنائے جس روز اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ درود نازل فرمائے روشن ترین ماہتاب رسالت پر اور سب سے زیادہ چمکدار آفتاب کرامت اور اس کے انوار پر جس کا سایہ نہ تھا دھوپ میں، نہ چاندنی میں، اور آپ کے صحابہ وآل پر جو آپ کے دامن رحمت کے سایہ میں ہیں اور آپ کے سایہ رحمت کی نعمتوں کی طرف دعوت دینے والے ہیں، اور ان کے ساتھ ہم سب پر رؤف ورحیم کی رحمت سے اور ہمارا آخری کلام الحمدللہ رب العالمین۔ ت)

تمت